Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

The Impact of English Literature on the Writings of Rashid Ahmed Siddiqui

رشید احمد صدیقی کی تحریروں پر انگریزی ادب کے اثرات

Nuzhat Bashir[1], Muhammad Waqar Azeem[2], Dr Sundas Hanif[3]
[1]Assistant Professor Urdu, Govt. Graduate College for Women, Toba Tek Singh
[2]PhD Scholar, Riphah International University, Faisalabad Campus
[3]Assistant Professor, Department of Urdu, University of Jhang
Correspondence Email: waqarazeenbaloch218@gmail.com

pISSN: 3007-2077
eISSN: 3007-2085

HEC approved in **Y** category.

Received: 22-01-2025
Accepted: 28-02-2025
Online: 08-03-2025

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2025 by the author(s).

Abstract

Rashid Ahmad Siddiqui shines as a multifaceted icon in Urdu literature, excelling as an essayist, prose writer, satirist, humorist, teacher, researcher, critic, and mentor. His literary influence goes beyond merely chronicling his time; he actively shaped it through his impactful writings. Critics often draw comparisons between Siddiqui's profound connection to Aligarh and that of Sir Syed Ahmad Khan, while others view it as a reflective bridge to his identity. Esteemed as a brilliant author and humorist, Siddiqui is likened to Chaucer and Bernard Shaw, offering deep philosophical musings that provide compelling insights into society.

His prose stands out for its eloquence, rhetorical rhythm, wit, satire, linguistic sophistication, and a seamless blend of literary artistry. What truly sets him apart is his deep admiration for the English language and his aspiration for Urdu to achieve parity with Western languages. Inspired by collegiate encounters with Shakespeare, Siddiqui earned recognition from respected English professors, fueling his passion further. His formative years at Aligarh University coincide with the early development of Urdu literature, and his signature style, which fuses humor with elegance, reflects his heartfelt love for Aligarh as a unifying force. Siddiqui's enduring passion for English profoundly shapes his literary perspective, firmly establishing him among the revered figures of Urdu literature.

Keywords:
English Literature, Urdu Literature, Rashid Ahmad Siddiqui, Prose, Philosophical thoughts, Cultural nuances, Impacts

رشید احمد صدیقی اردو ادب کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیت ہے۔ وہ بہترین مرقع نگار، آپ بیتی نگار، انشاپرداز، طنز وظرافت نگار، مصنف، معلم، محقق، مقرر، نقاد اور رہبر ہیں۔ رشید احمد صدیقی کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے ایک عہد کو اپنی تحریروں میں سمویا ہی

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

نہیں بلکہ ایک عہد کو متاثر بھی کیا ہے۔ سر سید احمد خان نے اگر علی گڑھ کو بطور مرکز ایک مقام عطا کیا ہے تو رشید احمد صدیقی نے اسے پہچان دی ہے۔ اس پہچان پر اکثر لوگوں نے اعتراضات بھی کیے ہیں کہ وہ بار بار علی گڑھ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ کوئی بری بات نہیں انسان کو جس چیز، جگہ یا شخص سے محبت ہو وہی نام اس کے رگ وپے میں سرایت کر جاتا ہے۔ پھر وہ جانتا ہی نہیں کہ کب، کہاں اور کیسے اسے دہراتا چلا جاتا ہے یہی حال ان کی محبت کا ہے اسی محبت نے ان سے اس در و دیوار کی خوبصورتی کا کام لیا اور اس سے وابستہ ہر شخص کی خامیوں اور خوبیوں پر جس طرح انھوں نے لکھا اور اسے عظمت و تکریم سے نوازا۔ یہ اُنھی کا خاصا ہے۔

رشید احمد صدیقی اردو ادب کے مایہ ناز مصنف اور طنز و مزاح نگار ہیں۔ وہ بہترین معلم بھی ہیں اور انشا پرداز بھی۔ رشید احمد صدیقی کو آل احمد سرور اردو کا چیسٹرن اور برنارڈ شا کہتے ہیں۔ ان کے ہاں گہرے فلسفیانہ افکار موجود ہیں۔ انھوں نے ہمارے تمدن اور معاشرے پر دلچسپ تبصرے کیے ہیں۔ قول محال، صوتی تکرار، لفظی تکرار، برجستگی، بذلہ سنجی، زبان کا بلیغ استعمال غرض ہر طرح کی خوبیاں ان کی نثر میں موجود ہیں۔ رشید احمد صدیقی کو انگریزی زبان و ادب سے بھی بہت لگاؤ اور شغف تھا۔ اسی لیے ان کی تحریروں اور تقریروں میں بھی اس کے اثرات نظر آتے ہیں۔ انگریزی زبان سے لگاؤ کے حوالے سے رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> "مجھے ہر طرح کی چیز پڑھنے میں لطف آتا تھا۔ البتہ یہاں ایک بات کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ اس لیے کہ اس پر آج بھی مجھے اتنا ہی یقین ہے جتنا آج سے چالیس پینتالیس سال پہلے تھا۔ وہ یہ کہ اس زمانے میں بھی جب مجھے اردو سے کہیں کم انگریزی آتی تھی، میں زبان و ادب کے اعتبار سے انگریزی کو اردو سے اونچا درجہ دیتا تھا۔ انگریزی کتاب پڑھتا تو کچھ ایسا محسوس کرتا جیسے مصنف جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے اور میرا بھی خواہ ہے۔ اردو کتابوں کی عبارت کا اثر یہ ہوتا تھا جیسے مصنف کا مقصد اپنا کرتب دکھانا ہو، کوئی مجھے فائدہ پہنچانا نہ ہو۔ یہ باتیں اور اس طرح کی باتیں وضاحت سے نہیں بلکہ گڈمڈ ہو کر ذہن میں آتیں۔ ممکن ہے اس کا سبب یہ بھی رہا ہو کہ ذہنوں پر انگریز، انگریزی حکومت اور انگریزی زبان کی گرفت عام تھی۔ غرض یہ تعبیر صحیح رہی ہو یا غلط مجھے انگریزی کے مطالعے سے فائدہ پہنچا ہے۔ انگریزوں سے میرا کچھ ایسا سروکار کبھی نہیں رہا لیکن انگریزی زبان و ادب سے اب بھی بہرہ مند ہوتا ہوں۔ علوم وفنون کے بے پایاں ذخائر سے قطع نظر جو انگریزی سے ملتے ہیں اور اردو میں برائے نام سے بھی کم ہیں، ابھی اردو کو انگریزی سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔"(۱)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رشید احمد صدیقی کو نہ صرف اردو زبان سے محبت تھی بلکہ وہ اسے دیگر مغربی زبانوں کے ہم پلہ بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے انگریزی زبان سے موازانہ کرتے ہوئے اردو زبان کی اس کمی یا خامی کا ذکر کرتے ہیں کہ ہماری زبان کے ادیب یا مصنف کا کام اس کی سجاوٹ یا آرائش کرنا نہیں بلکہ ادب کے مقاصد تو اعلیٰ و ارفع ہیں۔ یہ تو زندگی کی نمائندگی کرتا ہے۔ اپنے عہد کا عکاس ہوتا ہے۔ اپنے رسم و رواج، تہذیب و ثقافت اور تاریخ کا سرمایہ ہوتا ہے بلکہ بہترین ادب تو آفاقی ہوتا ہے جسے کوئی شخص مطالعہ کرے پھر چاہے وہ اہل زبان نہ بھی ہو تو بھی اسے محسوس ہو کہ لکھنے والے نے اس کے جذبات کی صحیح اور سچی تصویر بنا دی

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

ہے۔ رشید احمد صدیقی اس حوالے سے انگریزی ادب کو بلند مقام و مرتبہ دیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں جذبات و احساسات کو اولیت حاصل ہے اور زبان کی خوبیوں کے ساتھ انسانی خصلتوں کا بیان ملتا ہے۔

رشید احمد صدیقی کو انگریزی زبان کے مطالعہ کی عادت طالب علمی کے زمانے سے ہی تھی۔ انھوں نے انگریزی ناولوں اور افسانوں کا بغور مطالعہ کیا۔ یہ بات قابل غور بھی ہے کہ انھوں نے ان دونوں اصناف کا ذکر بھی اپنی آپ بیتی میں کیا ہے۔ اور یہ دونوں اصناف اس دور میں اردو ادب کے لیے جدید اور نئی تھیں۔ ابھی اردو ادب ان کے ابتدائی مراحل سے گزر رہا تھا۔ رشید احمد صدیقی ان اصناف سے دلچسپی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''طالب علمی کے زمانے میں میرا دل پسند مشغلہ بالخصوص برسات کے موسم میں جب میدان میں کوئی کھیل کھیلا نہ جاسکتا تھا، اس کتب خانہ میں جو دوسری منزل پر تھا۔ کھڑکی سے متصل آرام کرسی پر دراز ہو کر اردو انگریزی افسانوں اور ناولوں کا مطالعہ تھا۔''(۲)

رشید احمد صدیقی اپنی آپ بیتی میں بتاتے ہیں کہ علی گڑھ میں مسٹر رنیل انگریزی کے بڑے قابل پروفیسر تھے۔ دوسرے انگریز پروفیسر بھی ان کی زبان دانی کا اعتراف کرتے تھے۔ اس زمانے میں انگریزی میں نمایاں ہونے کا شوق طالب علموں میں اس قدر عام تھا کہ جو طالب علم رنیل صاحب کی کلاس میں یا ٹیوٹر ریل میں داخلہ لے لیتا اس کے بارے میں یہ رائے قائم ہو جاتی کہ اس کی انگریزی اچھی ہے۔ وہ خود بھی قاعدے قوانین کے پابند تھے اور شاگردوں پر بھی اس کی سختی کرتے۔

رشید صاحب کے ایک اور استاد جو انھیں فلسفہ اور انگریزی پڑھاتے تھے ان کے ساتھ ایک اور استاد پروفیسر پرویس، ان تینوں اساتذہ سے رشید صاحب اور ان کے ساتھیوں نے بی۔ اے میں شیکسپیئر کے ڈرامے پڑھے۔ وہ کہتے ہیں کہ معذوری کے باوجود (بابا پرویس) شیکسپیئر کے نکات جس خوبی سے واضح کرتے اور ایک ایک لفظ کے معنی اردو میں بتاتے اور ہر فقرے کا جیسے برمحل ترجمہ و توضیح کرتے۔ کوئی اور شخص نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رشید احمد صدیقی کو صرف علی گڑھ سے ہی عشق نہ تھا بلکہ ان تمام ارباب و عناصر سے بھی محبت ہو گئی تھی جن کا تعلق علی گڑھ میں ان کے ساتھ رہا۔ رشید احمد صدیقی نے نہ صرف ان بہترین اساتذہ سے کسب فیض کیا بلکہ اپنی صلاحیت کے بل پوتے پر اپنا نام اردو زبان کے بہترین مصنفین کی فہرست میں شامل بھی کر لیا۔

زمانہ طالب علمی میں رشید احمد صدیقی کی قابلیت اور صلاحیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ کالج کے مشہور رسالے "منتھلی" کا نام "میگزین" ان کی درخواست پر رکھا گیا۔ ان سے پہلے اردو اور انگریزی سیکشنوں کے ایڈیٹر علیحدہ علیحدہ ممبران اسٹاف سے مقرر ہوتے تھے لیکن زمانہ طالب علمی میں یہ ادارت صرف انھیں کے سپرد رہی اور ان کے بعد طلبہ کی جماعت سے انگریزی اور اردو کے علیحدہ علیحدہ ایڈیٹر اور اسٹاف سے نگران مقرر ہونے لگے۔ ہر شخص صاحب اسلوب ہوتا ہے۔ یہ اسلوب ہی اس کی پہچان ہوتا

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

ہے۔رشید احمد صدیقی بھی صاحب اسلوب ہیں۔ان کی تحریروں کا مطالعہ ان کی قد آور ادبی شخصیت کا تعارف ہے۔اپنے انداز تحریر کے حوالے سے خود لکھتے ہیں:

"لکھنے کے میرے جو اسالیب ہیں (طنز وظرافت وغیرہ) ان میں علی گڑھ کس حد تک دخیل ہے۔"(۷)

رشید احمد صدیقی نے جس اسلوب کی بات کی ہے وہ نہ صرف ان کا پسندیدہ اسلوب ہے بلکہ اس دور میں اسے پذیرائی بھی ملی اور ہمیں یہ انداز تحریر دیگر مصنفین کے ہاں بھی دکھائی دیتا ہے۔اس کی پہلی وجہ انگریز اور انگریزی حکومت ہے۔جہاں طنز وظرافت کی مضبوط روایت موجود ہے۔دوسری وجہ اس دور کے ہندوستان کے سیاسی اور معاشرتی حالات ہیں جنہوں نے اظہار بیان کے لیے رہ ہموار کی۔فرق صرف یہ ہے کہ انگریزی ادب میں خالص مزاح کے ادبی نمونے جابجا ملتے ہیں جو وہاں کی معاشی و معاشرتی خوشحالی کے عکاس ہیں۔اس لیے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

"انگریزی ادب میں خالص مزاح کی اس بے محابہ آمد کی پہلی وجہ تو انگریزی فضا کا وہ گھریلو پن ہے جو اس ملک کی ہر شے پر ایک لطیف دھند کی طرح چھائی ہوئی ہے۔دوسری وجہ انگریزی کردار کی وہ انفرادیت اور غیر ہمواری ہے جو انگریزی فضا، انگریزی خاندان اور عافیت کی وہ فضا ہے جو بیرونی حملوں اور ملکی انقلابوں سے بڑی حد تک محفوظ رہی اور جس کے باعث انگریزی خاندان کے حلقے میں بھی سکون وعافیت کا دور دورہ رہا۔"(۹)

انگریزی ادب کا یہ حوالہ رشید احمد صدیقی کے اسلوب کو (طنز وظرافت) کو خصوصاً ظرافت کو درست بیان کر رہا ہے۔کہ اس پر انگریزی عملداری کے واضح اثرات ہیں۔لیکن وہاں طنز کی نوبت خوشحالی کی بناء پر نہیں آئی۔جبکہ رشید احمد صدیقی تو نہ صرف اپنے عہد بلکہ اس عہد کی تاریخ، ثقافت، تمدن اور تہذیب کی بات کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ انگریز مصنفین میں شیکسپیئر سے پسندیدگی کا اظہار بھی کر چکے ہیں۔دراصل شیکسپیئر کے عہد اور ان کے عہد میں بڑی مماثلت ہے۔شیکسپیئر نے جس عہد میں ڈرامے تخلیق کیے وہ عہد انگلستان میں بدامنی اور بے چینی کا تھا۔اس سے پہلے انگلستان کے ادب پر غور کریں تو ہمیں اس پر فرانس اور فرانسیسی تہذیب کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔جس طرح اپنی روایات اور اقدار کا پرچار اہل فرانس نے اپنے ادب میں کیا ہے بالکل اسی طرح انگریزی ادب میں بھی کی پیروی ملتی ہے۔

شیکسپیئر کا دور مادی لحاظ سے انگلستان کے عروج کا زمانہ تھا۔انگریزی ادب میں شیکسپیئر کی حیثیت روشنی کے ایک مینار جیسی ہے جس میں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر ہر شے کو منور کر دیتی ہیں۔اس کے ڈراموں کے مکالمے اور مزاحیہ کردار خصوصاً فالسٹاف نے انگریزی ادب میں شگفتگی اور رعنائی عطا کر کے ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے۔کردار نگاری، مکالمہ نگاری، پلاٹ، کہانی، غرضیکہ اپنے ڈراموں کی جزئیات تک خیال رکھ کر جو شہرت اور عظمت شیکسپیئر کو حاصل ہوئی اس کے اعتراف میں کتابوں اور مقالوں کی ایک طویل

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

فہرست ہے۔

رشید احمد صدیقی شیکسپیئر کی ہمہ جہت شخصیت کے قائل تھے۔انھوں نے نہ صرف ان کے ادب کا بغور مطالعہ کیا بلکہ اس کے اثرات بھی ہمیں ان کے ہاں دکھائی دیتے ہیں۔رشید احمد صدیقی نے اپنی آپ بیتی میں اپنی زندگی کے قصے، حماقتیں اور بچپن کی کہانیاں مزے لے لے کر بیان کی ہیں۔ان کہانیوں میں ہمیں وہ کوئی عالم، ملا یا بڑی شخصیت اور سخت کام کرنے والے نہیں بلکہ عام انسان دکھائی دیتے ہیں۔مثال کے طور پر اپنے بچپن کا قصہ سناتے ہوئے کہتے ہیں:

> "ایک دن بھائی صاحب شکایت کرنے ماں کے پاس گئے۔بے وقوف ہونے کے علاوہ میں کمزور اور مریض بھی تھا۔اس لیے ہر مشکلات رو کر پیش کرتا۔یہی نہیں بلکہ روتا زیادہ اور شکایت کم کرتا۔والدین سمجھنے لگے تھے کہ جب تک میں رونے کا پورا کورس ختم نہ کرلوں گا مطلب کی بات زبان پر نہ آنے دوں گا۔اس لیے میرے رونے کی طرف توجہ نہ کرتے اس سلوک سے ظاہر ہے مجھے اور زیادہ رونا پڑتا۔رونے میں میرا کچھ بگڑتا نہ تھا اور ظاہر ہے اس طرح کے رونے سے میں کسی اور کا بھی کچھ بگاڑ نہ سکتا تھا۔اس لیے میرے رونے کی مدت ہمیشہ بڑھتی رہی لیکن جلد ہی مجھ پر یہ بھید کھلا اور آنکھیں کھلیں (میں آنکھ بند کرکے روتا تھا) کہ اس طرح روتے رہنے میں اتنی دیر لگ جاتی ہے کہ شکایت کرنا ہی بھول جاتا ہوں۔اس طرح نہ جانے میری کتنی معصوم شکایتوں کا خون ہوتا رہا اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہوئی۔باوجود اس کے کہ میں کافی اونچے سروں میں روتا تھا۔آخر میں مجھے کچھ ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ شاید میرے رونے کا تال سر ٹھیک نہ تھا۔اس لیے کہ لوگ ہمدردی کرنے کی بجائے مجھ پر ہنسنے لگتے تھے اور پیٹھ پیچھے ہنستے تو ایسا کچھ بُرا بھی نہ تھا۔رونا تو اس کا تھا کہ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنستے۔اس لیے خاص طور پر میں نے آنکھیں بند کرکے رونا شروع کر دیا تھا۔"(۱۰)

شیکسپیئر کے ہاں بھی ایسے واقعات کی بھرمار نظر آتی ہے۔شیکسپیئر کے ڈرامے میں ہیملٹ اور گورکن کے درمیان بھی ہمیں ایسا ہی جاندار اور مزاحیہ مکالمہ ملتا ہے۔

"Clon, even that. Ham let me see (takes the skill) Alas, poor Yorick! I knew him, Horatio, a fellow of infinite test, of most excellent fancy. He hath borne me on his back a thousand times and now how abhorred in my imagination it is my gorge rises at it. Here hung those lips that I have kissed. I don't know how oft. Where are your gibes now, your gambols, your songs, your flashes of merriment that were wont to set the table on a roar? No one now to mock your own grinning-quite chap-fallen? Now take you to my lady's chamber and tell her that you must come. Make her laugh at that her point an inch thick, to this favour she prithee, Horatio, tell me on thing." (11)

مذہب ہمیشہ سے ادب کا اہم موضوع رہا ہے۔دنیا کے ہر مصنف اور ادیب نے اس موضوع کو اپنے فن میں حصہ دیا ہے۔رشید احمد صدیقی نے اپنی تحریروں میں جابجا مذہب اسلام کے فضائل بیان کیے ہیں۔وہ مذہب کے نام پر شدت پسندی اور دوغلے پن کو بڑی چابکدستی سے بیان بھی کرتے ہیں۔ادب اور تنگ نظری کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں ظاہر پرستی اور دکھاوا کرنے کی بیماری بھی عام

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

ہے۔ خصوصاً ہندوستانیوں میں یہ بیماری پیدا کرنے والے مولوی اور مذہب کے نام پر جائز ناجائز ہر کام ایک حق اور فرض سمجھتے ہیں۔ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر یہ لوگ خود سب سے بڑے ایمان فروش ہیں۔

رشید احمد صدیقی نے مولوی ڈاکٹر، وکیل اور لیڈر جیسے کرداروں کی خامیوں، ناکامیوں اور خوش فہمیوں سمیت دیکھا اور دیکھایا ہے۔ مثلاً ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> "لیکن مولویوں کو دیکھئے قول و فعل میں کسی سے پیچھے نہ رہا۔ ایک طرف وعظ کرتا رہا اور فتوی تکفیر دیتا رہا۔ دوسری طرف عورت رد نہ کی اور تعداد ازدواج کی کمی نہ کی تارک حوالات رہا، تارک بالذات نہ ہوا۔"(۱۲)

شیکسپیئر کے ہاں بھی ہمیں مذہب کے ایسے ٹھیکیدار ملتے ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں۔ لالچی اور خود غرض ہیں۔ مثلاً شیکسپیئر کے ڈرامے Romeo and Juliet میں:

"There is no world without Verona walls, but purgatory, torture hell itself."
O Friar, the damned use that world is hell, how long attends it.
How hast thou the hearts, being a divine, a ghostly confessor, a sin absolver and my friend professed." (13)

کہا ہے جیسے حج کر رہے ہوں Pilgrims اس میں اصل پادری لالچی ہے جبکہ رومیو اور جولیٹ محبت کے لیے جب بھی ملے کو باقاعدہ اپنے ڈرامے ہیملٹ میں بھی شیکسپیئر نے مذہب اور خدا کی بحث چھیڑی ہے۔

"Claudius to Gertrude saying that God provides protection for a king like a fence, and traitors can only peer through it but cannot harm the king. Claudius hypocrisy in voicing the ideology of the divinity of kings when he himself has slaughtered God's anointed, his brother king Hamlet, marks him out as a particularly evil Machiavellian."(14)

شیکسپیئر سے پہلے انگریزی ادب میں چاسر کی شخصیت بڑی اہم ہے۔ جیفرے چاسر کا عہد (۱۳۴۰-۱۴۰۰) کا قریب کا ہے اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ انسان سے اس کی تمام خامیوں سمیت محبت کرتا ہے اس کے ہاں ہر طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے کردار، عام کردار، ہمارے ارد گرد رہنے والے کردار جن کی سوچ، فکر اور نظریات ان کی زبان اور عمل بیان کر رہا ہے۔ The Canterbury Tales میں ہمیں کرداروں کی ایک طویل فہرست دکھائی دیتی ہے جیسے:

The Merdant, The Milten, The Cook, The Shipman, The physician, The Host, The squire, The knight, The Nun, The Monk, The clerk, The Friar, The tradesman, The sergeant of the law etc.

یہ کہانیاں ہمیں رشید احمد صدیقی کے ہاں بھی ملتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ چاسر نے انھیں شاعری میں کرداروں کی صورت میں بیان کیا۔ اور رشید احمد صدیقی نے نثر میں ان عام کرداروں کو جگہ دے کر خاص بنا دیا ہے۔ ان کرداروں سے مدد لے کر انھوں نے معاشرے کے عام طبقے کے مسائل اور معاشرتی خامیوں کی نشاندہی کی ہے۔

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

Canterbury Tales میں چاسر The physician کے نام سے ڈاکٹر کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ طب کا ایک ذہین آدمی ہے جو ہر بیماری کی وجہ جانتا ہے جو ان کے علاج میں بہت مدد کرتا ہے۔ اسے ایک حقیقی کمال کے طور پر اسی لیے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"He knows the cause of everich maladye, were it of hoot, or coold , or my ste, or drye, And where they engendred, and of what humour. He was a verray, parfit prakistour."(15)

اسی انداز سے رشید احمد صدیقی کے ہاں واقعات کا بیان ملتا ہے۔ وہ واقعات کو محض سرسری طور پر بیان نہیں کرتے بلکہ اپنے مشاہدہ اور مطالعہ سے ان واقعات کے اندر ایسے نادر پہلو تلاش کر لیتے ہیں جو عام نظر سے دکھائی نہیں دیتے۔ اس کے لیے ان کے انتخاب عام طور طور پر معمولی واقعات ہیں جن سے وہ ایسی نادر باتیں نکالتے ہیں کہ پڑھنے والا اس گوہر نایاب پر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

"In all this world ne was ther noon hym lik, To speak of physic and of surgery."(16)

لکھتے ہیں:

> اپنے مضمون میں چاسر کہتا ہے کہ وہ بڑا مضبوط اور بہترین ڈاکٹر اور سرجن ہے۔ اس سے زیادہ اچھے طریقے سے کوئی دوائی اور سرجری کے بارے میں نہیں بتا سکتا جس زبردست طریقے سے وہ تجویز کرتا ہے۔
>
> رشید احمد صدیقی کے ہاں بھی بالکل اسی انداز سے ایک ڈاکٹر آر۔ این بھائیہ کا حوالہ ملتا ہے۔ لکھتے ہیں۔
>
> "لکھنؤ میڈیکل کالج اور ہسپتال کے سرجن ڈاکٹر آر۔ این بھائیہ نے میرا آپریشن کیا تھا۔ انھوں نے جتنی جلدی اور جس وثوق سے مرض کی تشخیص کی وہ بجائے خود ایک کارنامہ ہے پھر جس دلنشیں انداز سے مرض کی نوعیت اور آپریشن کی ضرورت بتائی وہ بھی کم ڈاکٹروں کے حصے میں آیا ہو گا۔"(۱۷)

The Nun میں چاسر نے ایک راہبہ کی کہانی بیان کی ہے۔ وہ دوسروں کو دکھانے کے لیے بڑی حد تک جاتی ہے کہ وہ کیا بننا چاہتی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ کون ہے اس کے لیے چاسر نے "جعلی" لفظ استعمال کیا ہے جس کا اصل نام میڈم ایگلینٹن ہے چوسر نے اسے فرانسیسی لقب "میڈم" کہا ہے۔ Elegant اور لاطینی لفظ Sweetbriar جس کا مطلب ہے Eglantine۔

وہ عدالت کے طریقوں کی نقل کرنا پسند کرتی ہے جسے ایک راہبہ کو دنیاوی طور پر مسترد کرنا چاہیے۔ اس کی فرانسیسی بھی رواں ہے کچھ الفاظ محض دکھاوا اور منافقت والے ہیں۔ اس لیے اس نے لومڑی کا کردار بھی استعمال کیا ہے۔ اس کہانی میں ایک طرف چوہے کے جال میں پھنسنے پر دکھاوے کا شور مچاتی ہے اور دوسری طرف اپنے چھوٹے لیپ ڈاگوں کو بھنا ہوا گوشت کھلاتی ہے۔ اس کہانی کے تینوں کرداروں (Lady Perlote(The Hen), Chanlic Leer (The Rooster), Sir Tussel (The Fox

Aelas, ye Lordes! many
a Falls flatour is in youre courtes"(18)

رشید احمد صدیقی کے موضوعات کا انتخاب ارد گرد کی زندگی کے ان موضوعات سے ہے جن کو ہم دیکھتے اور محسوس کرتے

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ رشید نے ان موضوعات اور باتوں کو احساسات کی زبان دے دی ہے۔ ان کے موضوعات زندگی سے قریب تر ہیں جسے خنداں اور مضامین رشید میں شامل دلچسپ بھی ہیں اور معنی خیز بھی۔ ان مضامین کی نوعیت سماجی اور معاشرتی ہے۔ ان کا سارا تانا بانا سماجی اور معاشرتی مسائل سے بنایا گیا ہے۔ انھوں نے عام موضوعات کو خاص موضوعات سے بڑی مہارت سے ملایا ہے یہ ان کی جرات اور بے باکی کی بھی عمدہ مثال ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''محبوب کے گرد بوالہوس اور بڑے آدمی کے گرد و پیش خوشامدی اور خود غرض ہوتے ہیں۔ بڑا آدمی اپنے مصاحبوں کو آزماتا نہیں بھلے مانسوں کو رسوا کرتا ہے۔ بڑے آدمی کی پہچان یہ ہے کہ اسے نہ اپنے آپ پر اعتماد ہوتا ہے نہ بھلے مانسوں پر وہ اپنے اختیارات اور بے ایمانوں کی ذہانت یار فاقت پر اعتماد کرتا ہے۔''(۱۹)

''گواہ'' میں لکھتے ہیں:

> ''جب سے مقدمہ شروع ہوا تھا ساری معاش و ملکیت لالہ جی کے لیے وقف ہے۔ دودھ، دہی، ترکاری ان کی رسوئی میں جاتی۔۔۔ یوں تو ہر پٹواری عدالت کا کیڑا ہوتا ہے جب تک وہ عدالت کی زیارت نہ کرے۔ دیکھو کیسی چوک ہوئی جارہی تھی درگا جی کی پرشاد لینا بھول گئے۔ کسان تو ہم پرست ہوتا ہے جیسے ہم آپ مطلب پرست۔''(۲۰)

ایسے ہی لالچی خیالات کا اظہار اور مذہب کے نام پر بیوپار انگریزی ادب کا اہم موضوع رہا ہے۔ جہاں مصنفین اور شاعروں نے مذہب کے ٹھیکیداروں پر کڑی تنقید کی ہے اور انہیں آئینہ دکھایا ہے The Paradon Tale میں چاسر نے انہی خیالات کو پیش کیا ہے اس کہانی میں اس نے رشوت خوری کی لعنت کو بیان کیا ہے۔ The Roots of Evil is Green۔

شیکسپیئر کے ہاں "Pun" یعنی ضلع جگت، لفظی ہیر پھیر اور ایہام کا بکثرت استعمال ہے۔ شیکسپیئر نے اس اصطلاح سے کام لے کر مزاح کے ساتھ تفریح کے لمحات پیدا کیے ہیں۔ زبان کے فرق کے باعث اب شیکسپیئر کے Pun کو سمجھنا دشوار ہے لیکن اس زبان کو شیکسپیئر نے اپنے ڈراموں کی زینت بنایا لفظ "Nothing" شیکسپیئر کے ہاں Noting استعمال ہوا ہے اور Play, Much a do About Noting کے بارے میں کچھ مطلب نہیں جانتے آج کے دور میں اس کے اصل معنی لوگ سمجھتے ہی نہیں حالانکہ یہ ایک ایسا بڑا کھیل ہے جس کو ہم دیکھتے اور سنتے ہیں اور اس کے کرداروں کو ہم اپنے ارد گرد محسوس کرتے ہیں۔ "الزبتھ" کے پڑھنے اور دیکھنے والے اس کے عنوان سے ہی جان لیتے ہیں کہ وہ ایک کھیل دیکھنے جارہے ہیں۔ کھیل کے لیے شیکسپیئر نے کرداروں کی تصویریں ایسی بنائی گئی ہے واقعات کو جوڑا ہی ایسے گیا ہے کہ ہم خود ساتھ چلتے ہیں۔ رشید احمد صدیقی کے ہاں بھی ہمیں قہقہوں سے واسطہ نہیں پڑتا۔ بلکہ ہمیں زندگی حرکت اور حرارت کا منبع ہی نظر آتی ہے۔

جہاں تک کردار نگاری کا تعلق ہے شیکسپیئر کے ہاں بھی کئی مزاحیہ کردار نظر آتے ہیں۔ ہمیں رشید احمد صدیقی کے ہاں بھی کئی کردار ملتے ہیں جو خود بخود مزاحیہ ہوتے چلے گئے ہیں شیکسپیئر کے یہ کردار واعظ و نصیحت بھی کرتے چلے جاتے ہیں۔ لمبی لمبی تقریریں اور

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

خود کلامی کی کیفیت ملتی ہے۔ رشید احمد صدیقی کے ہاں بھی کرداروں پر یہی جھلک نظر آتی ہے۔ پھر ان کرداروں کا تعلق بھی روز مرہ کے عام لوگوں میں جن کو ان کی طبقاتی تقسیم کے بعد دونوں مصنفوں نے اپنے اپنے طبقے یا شعبے مثلاً ڈاکٹر، محبوب، عاشق، وکیل، بیرا، ایڈیٹر، عورت، مرد لیڈر امتحان سفر، ایسے حوالے ملتے ہیں۔ شیکسپیئر کے ہاں بھی انہیں کرداروں کے حامل افراد ہیں مثلاً Dogberry کو ہی لیجئے۔ رضاکارانہ میں پولیس کا ایک سربراہ اپنے قانون کا رکھوالا لیکن خود ہی مزاح ہے۔ اپنی پریشان کن انداز سے دیکھنے والوں کو محظوظ کرتا ہے۔ اس ڈرامے میں شیکسپیئر نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کا بھی مذاق بنایا ہے۔ کہ کس طرح قانون کے رکھوالے سوتے ہیں۔ اور چور ان کی نیند کو خراب نہیں کرتے تاکہ یہ برا محسوس نہ کریں۔

Dogberry کا کردار مزاحیہ بھی ہے اور عجیب و غریب بھی۔ اسے نہ قانون کی سمجھ ہے۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ وہ صرف اسے یعنی اپنی ڈیوٹی کو ایک کاروبار سمجھتا ہے کہ رکھوالی کیسے کرنی ہے۔ اس کی غلط فہمیوں اور غفلت کی یہ درخواست بھی ایک عظیم مزاح ہے جو شیکسپیئر نے بنایا ہے کیونکہ اسے یہ غرور تو ہے کہ وہ قانون کے ادارے کا سربراہ ہے۔ لیکن اس کی کارکردگی غیر فعال قسم کی ہے۔

شیکسپیئر نے لفظوں کے توڑ، جوڑ کے ذریعے اپنی بات بیان کی ہے جیسے Dogberry کا آہستہ آہستہ اٹک کر جان بوجھ کر اظہار کرنا۔ ایسے اظہار کرنا جیسے بہت ساری فوج کے سامنے بول رہا ہے۔ Don Pedro اور Dogberry کے درمیان مکالمہ ملاحظہ ہو:

"Do Pedro; officers, what offence have these men don?
Dogberry; Marry, Sir, they have committed false report; moreover, they have spoken untruths; secondarily, they are slanders; Sixth and lastly ; they have belied a lady; thirdly; they have verified a unjust things; and to conclude, they are Lying knaves."(21)

Dogberry کے ہاں لفظ بازیگری دیکھئے:

"One word Sir; our watch, sir have indeed comprehended to auspicious persons; Comparisons and odorous; is our whale disassembly appeared?
'O Villain'! thou will be condemned into everlasting redemption for this?"(22)

فالسٹاف کا کردار شیکسپیئر کا سب سے مشہور مزاحیہ کردار ہے اس کا حلیہ انتہائی برا اور کریہہ ہے لیکن فالسٹاف کا مکالمہ جاندار اور مزاحیہ ہے جگہ جگہ مزاح پیدا کرنے کی کوشش ہے:

"Host, nay, sure, he's not in hell: he's in arthur's bosom, if ever man went to arther's bosom. A made a finger end and went away an it has been any christom child, a parted ev'n just between twelve and one, ev'n at the running o the tide, for after I saw him tumble with the sheets, and play with flowers, and smile upon his fingers end, I knew there was but on way, for his nose was as sharp as a pen, and babbled of green fields. How now sir John! quoth I what, man be o good cheer. So a cried out God God, God! three or four times. Now, I to comfort him bid him, a should not think of God. I hop'd there was no need to trouble himself with any such thoughts yet, so, a bade me lay more clothes on his feet. I put my hand into the bed and felt them, and they were as cold as any stone, then I felt to his knees, and so upward and upward, and all was as cold as any stone."(23)

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

رشید احمد صدیقی کے خیالات کا محرک جین آسٹن کے خیالات بھی ہیں۔ خصوصاً اس کے پہلے ناول Pride and Prejundice میں ہمیں جس طرح مغربی معاشرے کے رسم ورواج، رہن سہن، آداب اور طور طریقوں سے بھرپور انسانی رویے اور کردار ملتے ہیں اس کی مثال کہیں اور تفصیلی انداز سے ناممکن ہے خصوصاً اٹھارہویں صدی کے قصباتی ماحول کی نہایت عمدہ تشریح کی۔

رشید احمد صدیقی کے ہاں رنگ برنگے کرداروں کے ساتھ جو معاشرہ نظر آتا ہے۔ وہ بالکل اسی طرح متضاد رویوں کے ساتھ مشرقی معاشرہ ہے۔ متضاد سے مراد طرز زندگی کے کئی رنگ ہیں۔ لیکن انسان، ان کی خواہشات مشرق اور مغرب میں کئی جگہوں پر کتنی آفاقی ہیں۔

جین آسٹن نے عورت خصوصاً "آئیڈیل" عورت کے حوالے سے توقعات کی کتنی خوب صورت تصویر کھینچی ہے۔

"Oh! Certainly, "Cried his faithful assistant," no one can be really esteemed accomplished who does not greatly surpass what is usually met with. A woman smut have a thorough knowledge of music, singing, drawing, dancing, and the modern language, to deserve the word; and besides all this, she must possess a certain something in her air and manner of walking, the tone of her voice, he address and expressions, or the word will be but half-deserved."(24)

رشید احمد صدیقی کے ہاں بھی اسلوب تحریر ایسا ہی ہے انھوں نے ہر بات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان کے ہاں ہمیں باقاعدہ ایسے مضامین ملتے ہیں۔ وکٹر ہیوگو کے ناول کا پہلا باب احمقوں کا بادشاہ کے چناؤ کے حوالے سے ہے۔ احمقوں کا یہ بادشاہ کبڑا عاشق ہے۔ رشید احمد صدیقی "احمق کی جنت" میں احمق اور عقل مند کے بارے میں بیان کیا ہے۔ کافی جگہ دونوں خیالات ایک جیسے ہیں۔ آغاز میں لکھتے ہیں:

مبارک ہو یہ دلی ہے اور اپریل فول بھی
جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج

اس وقت تمام عقلمندوں کی نگاہ بیوقوفوں پر پڑی رہی ہے اور تمام بیوقوفوں کی مجھ پر
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے(۲۵)

رشید احمد صدیقی نے شاعری سے خوب خوب کام لیا ہے مختلف شخصیات کا تعارف ہی شعر سے یا مصرع سے آغاز کر دیا ہے اس طریقہ استعمال سے نہ صرف ذہنی فضاء بنادی بلکہ اس طرح اسلوب بھی شگفتہ اور تروتازہ ہو جاتا ہے مثلاً ایوب صاحب کے بارے میں

ع تمہاری نیکیاں زندہ تمہاری خوبیاں باقی(۲۶)

اصغر گونڈوی کے حوالے سے:

انداز ہیں جذب اس میں سب شمع شبستان کے
اک حسن کی دنیا ہے خاکستر پروانہ(۲۷)

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

ڈاکٹر محمد اقبال کے بارے میں:

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان(۲۸)

شیکسپیئر نے بھی شاعری سے بڑی خوبی سے کام لیا ہے مثلاً Much a do about noting میں Balthasar گانا گاتا ہے:

Sign no more, Ladies, sigh no more,
Men were deceivers ever,
On, foot in sea and one on shore,
To one thing constant never,
Then sigh not so, but let them go,
And be you blithe and bonny:
Converting all your sounds of woe
Into Hey nonny nonny.
Singing no more ditties, sing no Moe
of dumps so dull and heavy:
The fraud of men was ever so,
Since summer first was leavy.
Then sigh not so (29)

A Midsummer Night Dream میں:

Chorus. Philomel with melody
sing in our sweet lullaby.
Lulla, Lulla, lullaby: Lulla, Lulla
Nor spell nor charm lullaby
Never harm
Come our lovely lady, Night.
so good night, with lullaby (30)

قول محال (Paradox)

رشید احمد صدیقی کے ہاں لفظوں کی ترتیب اور تکرار کے علاوہ قول محال (Paradox) بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی صناعی اور مہارت کے ساتھ ملتا ہے۔ اس طرح کے اقوال ایک شے اور دوسری شے میں فرق، شخصیت اور شخصیت میں تفاوت اور اشیاء اور شخصیتوں میں تضاد کی نشاندہی کرتے ہیں۔ قول محال کے استعمال سے طنز و مزاح کا رنگ دوگنا ہو جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"سزا اور قانون کے دو بنیادی اصول ہیں یعنی جو بات کہی جائے اسے کوئی نہ مانے یا جو بات منع کی جائے اسے ہر کوئی کر

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

گزرے۔"(۳۱)

"گھاگھ کا سب بڑا کمال یہ ہے کہ وہ گھا گھ نہ سمجھا جائے "(۳۲)

شیکسپیئر کے ہاں بھی ہمیں ایسا ہی ملتا ہے Paradox کا استعمال اس کے ڈراموں میں جابجا ایسی مثالیں بھری پڑی ہیں:

"I am gone, though I am here"
"Die to live"
"I never knew so young a body with so old a head"(33)

صنعت تجنیس (Alteration)

رشید احمد صدیقی نے صنعت تجنیس Alteration کا استعمال بھی بڑی خوبی اور مہارت کے ساتھ کیا ہے۔ بذات خود یہ کوئی اہم صنعت نہیں ہوتی بلکہ اسے کلام میں ایسے لاتے اور استعمال کرتے ہیں کہ اس سے مزاح کی چاشنی دوبالا ہو جاتی ہے۔ یہ صنعت عبارت کی شعریت اور دلکشی میں اضافہ کرتی ہے جملوں میں صوتی آہنگ معنویت اور بلاغت شستگی سے آتی ہے اور مزاح بھی اسی شائستہ و شوخ اسلوب سے پیدا ہوتا ہے مثلاً:

"زندہ مردہ ہر طرح کے عجوبے اس کثرت سے ملتے ہیں کہ عقل دنگ اور جامہ ءہستی تنگ نظر آتا ہے۔"(۳۴)

شیکسپیئر کے ہاں بھی ہمیں اس صنعت کا بڑا خوبصورت استعمال دکھائی دیتا ہے انگریزی ادب میں صنعتوں کے بر محل استعمال نے ہی اردو ادب کے پڑھنے والوں کو متاثر کیا ہے۔ مثلاً:

In delay there lies no plenty.,
"Then come kiss me, sweet and Twenty"
Leave that labor to great Hercules (35)

رشید احمد صدیقی نے بھی ایسی باتوں کا کھل کر اعتراف کیا ہے جو کسی اور سے وابستہ ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے انگریزی الفاظ کا بکثرت استعمال اپنے مضامین تقاریر اور آپ بیتی میں کیا ہے مثلاً:

"میں اپنا PROPAGANDA کرتا ہوں"

"ڈیکوریشن (Decoration)"

"ڈپٹی (Deputy)"

شرف الدین احمد "یادرفتگان" کے عنوان کے تحت مضمون "پروفیسر رشید احمد صدیقی" یعنی اپنے استاد محترم کے بارے میں اپنی تصنیف "جراثیم ادب" میں انکی فنی عظمت کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ اپنے دور کے سب سے بڑے ادیب تھے اور ان کا جو مخصوص انداز بیان تھا وہ بس ان ہی کا تھا اور ان ہی تک رہا یہ بھی بالکل حقیقت ہے کہ کسی اور میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ان کی تحریروں سے صحیح معنوں میں لطف

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

اندوز ہونے کے لیے بھی غیر معمولی ذوق کی ضرورت ہے۔"(۳۶)

عورت ہر طبقے اور معاشرے کا اہم موضوع ہے۔ اس کے بغیر تکمیل انسانیت کا تصور ممکن نہیں۔ مغربی ادب میں عورت اور اس کے حسن وادا کی تعریف محبوب موضوع ہے۔ اس کا اظہار جابجا ان کے ادب میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً:

"He had just seen the reality. A warm and living skin, under which one felt the circulation of passionate blood; an outline with the precision of marble and the duration of the wave; a high and impassive mien, mingling repulsion with a attraction, and summing itself up in its own glory; hair of the color of the reflection from a furnace."(37)

رشید احمد صدیقی نے بھی عورت اور اس کی تعظیم کے حوالے سے اپنی کئی تقاریر میں بھی روشنی ڈالی ہے۔ خصوصاً "جدید اردو غزل" کے حوالے نے بھی عورت کے مقام و مرتبے اور عزت و تقدیس کی بات کی ہے لیکن کہیں کہیں ان کا انداز شوخ بھی ہے جہاں وہ اپنے معاشرے کی فیشن پرست خواتین کے بارے میں بتاتے ہیں۔ ایسا ہی خیال رشید احمد صدیقی کے ہاں بھی ملتا ہے وہ خنداں میں دعوت کے عنوان سے لکھتے ہیں:

> "میزبانی کے فرائض خاتون خانہ ادا کر رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچے تو دن میں تارے نظر آنے لگے ایسی خوبصورت قیمتی پر تکلف اور نایاب چیزیں ایک ساتھ کب دیکھنی نصیب ہوتی تھیں البتہ ان کا تذکرہ میلادوں میں سنا تھا یا طلسم ہوشربا میں پڑھا تھا، مالک مکان سے زیادہ پر شوکت اور شعر افگن نوکرانیاں تھیں یہ شعر افگن نور جہاں کے پہلے شوہر نہیں بلکہ ہمارے اردو شعرا کی اولاد قسم کی چیز ہے۔ کس کی تعظیم کیجیے اور کس سے تعظیم لیجیے کھانے کے کمرے میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ شاید دنیا کے سب سے بڑے شفاخانہ میں آپریشن ہونے والا ہے ہر طرف سوائے صفائی اور سامان جراحی کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اول تو کھانے کا گانگ بجا تو ہم نے سمجھا ہماری روح قبض کرنے کا آلہ ایجاد ہوا ہے۔ میز کے قریب آئے تو ایک مشوی زہر عشق قسم کی ایک چیز نے ہمارے بیٹھنے کی کرسی کھینچی معاً خیال آیا کہ آگے بڑھ کر کہوں "اے قبلہ یہ کیوں کانٹوں میں گھسیٹ رہی ہو۔"(۳۸)

رشید احمد صدیقی نے خنداں میں ہی احمق کے کردار کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے دراصل وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ معاشرے میں بہت سے افراد جو سچائی پر مبنی خیالات کا اظہار کرتے ہیں انہیں الگ کرنے کے لیے لوگ انہیں احمق تصور کرتے ہیں کیونکہ وہ خود بھی اس سچائی یا حقیقت کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں اس لیے ایسے افراد کو گرانے کے لیے کئی طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> "عقلمندوں کے بارے میں کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا، تاوقتیکہ بے وقوفوں کے سلسلے میں خود کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جس سے عقلمند فائدہ اٹھائیں۔"(۳۹)

ایسا ہی کردار شیکسپیئر نے بھی اپنے ڈراموں میں کئی جگہ دکھایا ہے جس سے مصنف کا مقصد معاشرے کے ہر کردار کو بے نقاب

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

کرنا ہے شیکسپیئر سمجھتا ہے اور بتانا چاہتا ہے کہ کبھی کبھی احمق کی باتیں ہو بہو معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں وہ ایسے معاملات کو سامنے لے آتا ہے جس کے بارے میں اظہار خیال کرنے سے ہم اس لیے ڈرتے ہیں کہ کوئی ہم سے ناراض نہ ہو شیکسپیئر King Lear میں لکھتا ہے:

Lear: Dost, thou call me fool boy!
Fool: All thy other titles thou hast given a way, that thus wast born with.
Kent: This is not altogether fool my lord.
Fool: No faith, lords and great men will not let me, if I had a monopoly out, they would have part an, t and ladies too, they will not let me have all the fool to myself, they, ll be snatching (40)

رشید احمد صدیقی کی تحریروں میں نہ صرف انگریزی الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں بلکہ انگریزی اشیاء، تہواروں، اور تقاریب کا ذکر بھی بارہا موجود ہے مثلاً ایڈیٹر میں انگریزی اور ہندوستانی تہذیب کا بڑی خوبصورتی سے موازنہ کرتے ہیں لکھتے ہیں:

> ”تھوڑی دیر تک تو ہم نے انگریزی تہذیب کے مطابق گفتگو کی۔ یعنی موسم اچھا تھا یا برا۔ آج کا اخبار دیکھا یا نہیں دونوں کی بیویاں پیانو کیسے بجاتی ہے اور دونوں کے الوڈ گوز، بوڑھے قاز یعنی باپ کب تک بقید حیات رہیں گے وغیرہ اس کے بعد ہندوستانی تہذیب پر اتر آئے یعنی قوم کی تباہ حالت پر قوم کو گالی گلوچ اور ایک دوسرے کو مبارک آباد دی اپنے اپنے امراض ایک دوسرے کو بتائے اور ان کے مختلف طریقہ علاج پر حکیم یا ڈاکٹروں کو برا بھلا کہا لڑکی کے شوہر اور لڑکے کے روزگار نہ ملنے پر ایک دوسرے سے ہمدردی کی اور تھوڑی ہی دیر میں ایسے شیر و شکر ہو گئے جیسے امن عالم کے قیام بقاء اور تہذیب انسانی کی نگہداشت کی خاطر بڑی بڑی حکومتیں، نیاز مند حکومتوں کو صبر و شکر کی تلقین کرتی ہیں اور خود بھی صبر و شکر کے ساتھ اسلحہ جات جن کی مزید فراہمی پر غور کرنے لگتی ہیں۔“(41)

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انگریزی زبان کی جانب رشید احمد صدیقی کے ذہنی و قلبی رجحان کی بدولت ان کے خیالات اور ان کی تحریروں پر انگریزی زبان و ادب کے واضح اثرات ملتے ہیں۔ ذاتی طور پر مغربی ادب کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ علی گڑھ کا بھی ان کی شخصیت اور تحریروں پر بہت گہرا اثر تھا جو ان کے طرزِ تحریر میں نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ رشید احمد صدیقی: ”آپ بیتی“ مرتب سید معین الرحمن، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۷۷
۲۔ ایضاً، ص ۷۶
۳۔ ایضاً، ص ۱۱۷
۴۔ ایضاً، ص ۱۱۸

۵۔ ایضاً،ص۱۱۷

۶۔ ایضاً،ص۱۱۸

۷۔ ایضاً،ص۸۵

۸۔ ایضاً،ص۸۵

۹۔ ڈاکٹر وزیر آغا:"اردو ادب میں طنز و مزاح"مکتبہ عالیہ،لاہور،تیسرا ایڈیشن،۱۹۷۷ء،ص۵۱-۵۲

۱۰۔ رشید احمد صدیقی:"آپ بیتی"ص۶۳

11. William Shakespeare: "The Complete Work" Oxford Publishing, 1980, P.1066

۱۲۔رشید احمد صدیقی:"آپ بیتی"ص۶۲

13. William Shakespeare: "The Complete Work" P.345-346
14. Ibid, P.1067
15. Geoffrey Chaucer: "The Canterbury Tales" Edit Thomas Tyrwhitt, Britian Edition, 1925, P.127
16. Ibid, P.127

۱۷۔ رشید احمد صدیقی:"مضامین رشید"مرتب سید معین الرحمن،الفیصل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۶ء،ص۱۰۵

18. Geoffrey Chaucer: "The Canterbury Tales" P.212

۱۹۔ رشید احمد صدیقی:"خنداں"مرتب سید معین الرحمن،الوقار پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۹ء،ص۳۰۱

۲۰۔ رشید احمد صدیقی:"مضامین رشید"ص۹۵

21. William Shakespeare: "The Complete Work" P.712
22. Ibid, P.715
23. Ibid, P.601
24. Jane Austen: "Pride and Prejudice" Robert Brothers Publishers, 1893, Volume 1, P. 35

۲۵۔ رشید احمد صدیقی"خنداں"ص۳۷

۲۶۔ رشید احمد صدیقی:"گنج ہائے گراں مایہ"سحر پبلی کیشنز،کراچی،۱۹۹۳ء،ص۱۲۳

۲۷۔ ایضاً،ص۱۰۱

۲۸۔ ایضاً،ص۱۳۹

29. William Shakespeare: "The Complete Work" P.219
30. Ibid, P.205

۳۱۔ رشید احمد صدیقی:"خنداں"ص۲۳۰

۳۲۔ رشید احمد صدیقی: "مضامین رشید" ص ۳۲
33. William Shakespeare: "The Complete Work" P.357
۳۴۔ رشید احمد صدیقی: "مضامین رشید" ص ۱۱
35. William Shakespeare: "The Complete Work" P.440
37. Geoffrey Chaucer: "The Canterbury Tales" P.54
۳۸۔ رشید احمد صدیقی: "خنداں" ص ۶۰
۳۹۔ ایضاً، ص ۱۶
40۔ شیکسپیئر: (مرتب) "شیما مجید" کنگ لیئر، اظہار سنز، لاہور، ص ۷۰
41۔ رشید احمد صدیقی: "خنداں" ص ۹۵